احرار اور تحریک تحفظ ختمِ نبوت

قادیانیوں کی عبرتناک شکست پر مجلس احرار اسلام کا یوم تشکر

۱۹۵۰ء کے انتخابات کے نتائج مارچ ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئے تو مرزائیوں کی شکست فاش پر مجلس احرار اسلام نے ملک بھر میں یوم تشکر منانے کا فیصلہ کیا جو مختلف دنوں میں مختلف مقامات پر منایا گیا۔ لائل پور (فیصل آباد) ۲۰ اپریل ۵۱ء گوجرانوالہ ۳۰ اپریل ۵۱ء اور لاہور میں ۲۵، ۲۶ مئی ۵۱ء کو دو دن کانفرنس ہوئی جس میں پورے پنجاب سے جیوش احرار مع بینڈ کے شریک ہوئے۔ ۲۵ مئی ۵۱ء کا دن اس لحاظ سے تاریخی تھا کہ جنوری ۴۹ء کے بعد پہلی مرتبہ احرار کے سرخ پوش رضاکار پورے جاہ و جلال کے ساتھ اپنے اپنے اضلاع سے بینڈ کے ساتھ شرکت کے لئے بصورت جلوس شہر میں داخل ہو کر مرکزی دفتر مجلس احرار اسلام لاہور پر لہراتے ہوئے پرچم احرار کو سلامی دیکر احرار پارک دہلی دروازہ میں اپنے اپنے مخصوص خیموں میں مقیم ہو رہے تھے۔ شام تک احرار پارک میں ایک ''نیا مدینتہ الاحرار'' بس گیا تھا۔ پنجاب کے اضلاع سیالکوٹ ،لائل پور (فیصل آباد) گوجرانوالہ ، سرگودھا ، میانوالی، ملتان، ساہیوال ، اوکاڑہ، شیخوپورہ ، راولپنڈی ،وزیر آباد، صوبہ سرحد سے پشاور، بنوں ، ہری پور ہزارہ اور کوہاٹ سے بھی جیوش احرار اسلام سرخ وردیوں میں شامل ہوئے۔ رات کو جلسہ عام میں اکابر احرار نے اپنی تقاریر میں مرزائیت کا تارو پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ۲۶ مئی کو جلوس کا پروگرام تھا۔ مرزائیوں کی شکست پر جہاں احرار خوشی کے شادیانے بجا رہے تھے۔ وہاں مرزائیوں کے ہاں صف ماتم بھی ہوئی تھی۔ پھر بھلا مرزائی یہ سب کچھ ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کر لیتے۔ ربوہ اور لاہور سے کراچی ٹیلیگرام دیئے جا رہے تھے۔ عرضداشتیں گزاری جا رہی تھیں۔

پیچھا　چھڈ　دے　نئیں　احرار　والے

چنبڑ　گئے　سیال　دے　تاپ　وانگوں

(سائیں حیات)

مسٹر قربان علی آئی جی پنجاب پولیس، سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب اور مسٹر ممتاز احمد دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کو درخواستیں دی جا رہی تھیں۔ کہ احرار کو روکو۔ پکڑو۔ دوڑو۔ پولیس اپنے طور پر بھی سرگرم عمل تھی۔ کبھی شیخ حسام الدین سیکرٹری جنرل مرکزیہ مجلس احرار اسلام کو تنبیہ کی جاتی اور کبھی صدر مرکزیہ ماسٹر تاج الدین انصاری کو گورنر ہاؤس طلب کر کے سردار نشتر فرماتے۔ ماسٹر جی یہ کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیسا ہنگامہ ہے میرے پاس جو رپورٹیں آ رہی ہیں اور خاص طور پر آئی جی پولیس بہت غیر مطمئن ہیں۔ آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟ الیکشن تو ختم ہو چکا۔ پورے سیکرٹریٹ میں ہل چل مچی ہوئی ہے! چیف منسٹر بھی اضطراب محسوس کرتے ہیں۔ ماسٹر جی نے فرمایا: آپ ہمارے کردار و عمل سے بخوبی واقف ہیں۔ ہم جنوری ۴۷ء سے مروجہ سیاست سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ مسلم

لیگ کو اب احرار سے کوئی خطرہ نہیں۔ نہ ہمارے کوئی سیاسی عزائم ہیں۔ رہا مرزائیوں کا معاملہ تو ہم انکو محب وطن نہیں سمجھتے۔ مرزائی اسلام کے باغی ہیں۔ انکی مخالفت صرف ہمارا ہی نہیں ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ اس پر بھی مطمئن نہیں تو پھر ایسا کیجئے کہ قرآن پاک منگوائیے۔ آپ مسلمان ہیں، ماشاء اللہ نمازی بھی ہیں قرآن پاک آپ کے

ماسٹر تاج الدین انصاری نے سردار عبدالرب نشتر سے کہا:
ہم مرزائیوں کو محب وطن نہیں سمجھتے، یہ اسلام کے باغی ہیں۔ مرزائیوں کی مخالفت صرف ہمارا ہی نہیں ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے

یہاں یقیناً موجود ہوگا۔ میں بھی اس پر ہاتھ رکھتا ہوں۔ آپ بھی رکھیں۔ اور حلف اٹھاتے ہیں پاکستان کی وفاداری پر! نشتر فوراً گویا ہوئے نہیں نہیں ماسٹر جی، مجھے آپ کی بات پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ کوئی لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ نہ کھڑا ہوجائے۔ ماسٹر جی نے کہا کہ آپ مطمئن رہیں ایسا ہر گز نہیں ہوگا اور ماسٹر جی واپس آگئے!

دراصل مسلم لیگی حکومت اپنی بد اعمالیوں اور لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے پبلک میں اپنا اعتماد کھو چکی تھی۔ اسے ہر طرف خطرہ نظر آرہا تھا۔ حکومت پاکستان امریکہ کی وجہ سے مرزائیوں کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وزیر خارجہ سر ظفر اللہ (قادیانی) نے خارجہ پالیسی کو بازیچہ اطفال بنا رکھا تھا۔ کشمیر کا معاملہ ڈانواڈول تھا مرزائی اپنی سازشوں اور مکارانہ پالیسی کے تحت پاکستان کو اندرونی طور پر کمزور کرنے کے لئے کلیدی آسامیوں پر قابض ہوتے جارہے تھے۔ اور امریکہ انکی حمایت کر رہا تھا۔ سر ظفر اللہ نے مسلم لیگی بزرجمہروں کو یہ یقین دلا رکھا تھا۔ کہ امریکہ ہی کی وجہ سے ہم بچے ہوئے ہیں ورنہ انڈیا ہمیں روس کے ساتھ مل کر ہڑپ کر جاتا۔ لیکن ہو کیا رہا تھا؟ اقوام متحدہ کی جنرل کونسل میں جب بھی مسئلہ کشمیر پیش ہوتا روس ویٹو کر دیتا اور پاکستان منہ دیکھتا رہ جاتا اور امریکہ، بھارت یا روس سے کوئی نہ کوئی اپنا مفاد حاصل کر کے چشم پوشی کر لیتا یا پاکستان کو مزید قرضہ دیکر یا محض قرضہ دینے کی یقین دہانی کرا کر خاموش رہنے کی تلقین کرتا۔ ایسے میں اگر پبلک میں کوئی شوروغوغا ہو تو حکومت کیسے متحمل ہو سکتی ہے۔ نیز حکومت کو یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ گو احرار بے شک، مسلم لیگ کے حلیف ہیں۔ لیکن کوئی بھی طالع آزما گروہ اس ایشو پر طبع آزمائی کر سکتا ہے۔ بدیں وجہ نہ تو حکومت مرزائیوں کو ناراض کر سکتی تھی۔ کہ امریکہ بہادر ناراض ہوتا تھا۔ ظفر اللہ نے یہی ہوا دکھا کر حکومت کو دباؤ میں رکھا ہوا تھا۔ اور نہ ہی احرار کے خلاف کوئی بڑا اقدام حکومت کے وارے میں تھا۔ ۲۶ مئی کو صبح دس بجے جلوس ترتیب دیا گیا قیادت کے فرائض فرزند امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری نے انجام دیئے۔

جلوس دہلی دروازے سے شہر میں داخل ہوا اور چوک وزیر خان سے ہوتا ہوا شاہ عالم مارکیٹ سے گزر کر سرکلر روڈ پر آگیا۔ جلوس اس طریقہ پر ترتیب دیا گیا کہ سب سے آگے سیالکوٹ کا بینڈ اور جیش حافظ محمد صادق کی قیادت میں اور اسکے بعد دوسرے اضلاع کے جیش انکے بعد گوجرانوالہ کا بینڈ اور جیش پھر فیصل آباد (لائل پور) کا بینڈ اور جیش پھر دوسرے اضلاع کے جیش پھر لاہور کا بینڈ اور دوسرے اضلاع کے سرخپوش جیش عجیب بہار دکھا رہے تھے۔ ہر جیش کے سالار نے مجلس احرار اسلام کا پرچم تھام رکھا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرخ رنگ کے

کپڑے پر سفید لکھائی میں حسب ذیل مطالبات اور نعرے درج تھے۔ پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الا اللہ حکومت الٰہیہ کا قیام ہمارا مشن ہے۔ مجلس احرار اسلام زندہ باد۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دو۔ سر ظفر اللہ کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کرو۔ مرزائی پاکستان کے دشمن ہیں۔ تاج و تخت ختم نبوت زندہ باد پاکستان پائندہ باد۔ یہ ماٹو دو دو رضاکار اٹھائے ہوئے چل رہے تھے۔ جگہ جگہ جلوس پر گل پاشی ہو رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کی سبیلیں لگی ہوئی تھیں۔ جلوس میں شامل گوالمنڈی لاہور کے خورشید الاسلام ہائی سکول کے طلباء کا بینڈ اور پی ٹی کے کرتب کی لاثانی شان تھی۔ اتنا پروقار اور نظم و ضبط کا پابند جلوس چشم لاہور نے شاید ہی کبھی دیکھا ہو۔ جلوس کا پہلا جیش شاہ عالم مارکیٹ سے گزر کر سرکلر روڈ پر آ گیا تھا۔ لیکن ہنوز دہلی گیٹ میں آخری جیش ابھی ترتیب پا رہا تھا۔ سرکلر روڈ سے جلوس نے ٹرن لیا اور انارکلی بازار سے ہوتا ہوا عجائب گھر کے سامنے سے مزنگ اور میانی صاحب کے قبرستان میں مفکر احرار چوہدری افضل حق کے مزار پر حاضری اور فاتحہ خوانی نیز سلامی کے بعد شملہ پہاڑی سے گزر کر واپس دہلی گیٹ احرار پارک آ کر اختتام پذیر ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد رضاکار اپنے اپنے خیموں میں آرام کرنے لگے نماز عشاء کے بعد کانفرنس کا اجلاس تھا۔ جس میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا خطاب ہونا تھا۔ صدارت حضرت مولانا احمد علی لاہوری کر رہے تھے۔ حضرت خطبہ صدارت لکھ کر لائے تھے۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ مرزا غلام نبی جانباز، سید امین گیلانی، سائیں محمد حیات پسروری اور ابراہیم خادم کی کڑکتی بھڑکتی نظموں کے بعد حضرت لاہوری نے خطبہ پڑھنا شروع کیا۔ جو بہت طویل ہوتا گیا۔ لوگ جو امیر شریعت کو سننے کا اشتیاق لیکر آئے تھے۔ جز بز ہونے لگے۔ گرمی کا موسم، رات کافی ہو چکی تھی۔ حضرت مولانا احمد علی نے جب حضرت امیر شریعت اور مجلس احرار اسلام کے

> **حضرت امیر شریعت نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:**
> **لیاقت علی خان، بوا مجھے مرزا بشیر الدین کے بیان سے تمہارے قتل کی بو آ رہی ہے.........اور لیاقت علی خان قتل کر دیئے گئے۔**

کارنامے خاص طور پر احرار رضاکاروں کے لئے تعریفی کلمات بیان فرمائے تو ایک سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس نے حضرت مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے سوال کیا، حضرت یہ جو آج لاہور میں احرار رضاکار بینڈ باجے بجاتے رہے ہیں کیا اسلام اسکی اجازت دیتا ہے؟ حضرت نے جواب میں فرمایا احرار رضاکاروں کا یہ فعل محض نمود و نمائش نہیں بلکہ دشمنان اسلام پر رعب ڈالنا اور قوت احرار کا اظہار تھا۔ اور پھر بڑی گھمبیر آواز میں فرمایا ارے تم ان رضاکاروں کو کیا سمجھتے ہو یہ اسلام کے سپاہی ہیں۔ اور پھر ایک خاص جذبہ کے تحت فرمایا۔ ارے میں تو ان لوگوں کو حضرت بخاری کے جلو میں ایسے ہی بینڈ باجوں کے ساتھ جنت الفردوس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ تم ان کے مقام و مرتبہ کو کیا جانو؟ کاش پوری قوم کے نوجوان اسی جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر میدان عمل نکل آئیں۔ یہ تھا حضرت مولانا احمد علی (جو اپنے وقت کے ولی کامل تھے) کا احرار رضاکاروں کو خراج تحسین۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرتؒ کو علیین میں اعلیٰ مقام سے نوازے (آمین) بہرحال حضرت نے خطبۂ صدارت ختم کیا۔

حضرت امیر شریعت بے شمار نعروں کی گونج میں مائک پر تشریف لائے۔ ابھی خطبہ شروع نہیں کیا تھا کہ ایک آدمی نے سٹیج کے قریب سے الفضل اخبار (مرزائیوں کا بھونپو) کا ایک پرچہ دیا جس میں مرزا بشیر الدین کا ایک بیان چھپا تھا۔ شاہ جی نے پڑھ کر رکھ دیا اور ایک لمبا ٹھنڈا سانس لیا۔ پھر عربی میں خطبہ شروع کیا۔ عام لوگ عربی تو نہیں سمجھتے ہیں۔ ہم فیصل آباد کے ساتھی سٹیج کے قریب ہی ایک جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ سو چکے تھے کچھ اونگھ رہے تھے۔ چونکہ تمام دن گرمی میں جلوس کے ساتھ رہے تھے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے نیند آرہی تھی۔ جبکہ بادل بھی ہو رہے تھے اور ہوا بھی چل رہی تھی۔ اتنے میں مولوی تاج محمود مرحوم لائل پوری پنجابی میں کہنے..... لگے او سنڈیو...... ہوش نال بیٹھو۔ اج شاہ جی دی تقریر عام تقریراں نالوں ہٹ کے ہوویگی۔ عربی خطبے دا انداز ایہو دسدا اے۔ (اے نوجوانوں ہوش سے بیٹھو۔ آج شاہ جی کی تقریر عام تقریروں سے ہٹ کر ہو گی عربی خطبہ کا انداز یہی بتارہا ہے۔) منہ پر پانی کے چھینٹے مار لو تاکہ سو نہ جاؤ۔ چنانچہ ہم سب رضاکاروں نے ایسا ہی کیا اور ہوشیار ہو کر بیٹھ گئے! شاہ جی فرمارہے تھے۔ آیا تھا یوم تشکر منانے لیکن اب اسے یوم تفکر کا نام دیتا ہے۔ یہ جو میں نے ابھی آپ کے سامنے الفضل اخبار میں مرزا بشیر الدین کا بیان پڑھا ہے۔ یہ دعوت فکر دیتا ہوں۔ ایسے ہی بیانات اور رویاء اس سے پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور انکے نتائج بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ آج پھر یہ بیان کسی کے لئے انتباہ ہے! ملاؤں کڑیاں؟ ایسے ہی بیان قادیان میں جب بھی دیئے جاتے کوئی نہ کوئی قتل ضرور ہوتا۔ مولانا عبدالکریم، باہلہ پر قاتلانہ حملہ! اور محمد حسین بٹالوی کا قتل نیز محمد تین مرزائی کا قتل اور دیگر کئی تشدد آمیز واقعات جن کا ذکر جی ڈی کھوسلہ سیشن جج گورداسپور کے فیصلہ میں موجود ہے۔ ایسے ہی بیانات کا شاخسانہ تھے۔ شاہ جی نے اور بھی کئی حوالے دیئے۔ اور پھر اچانک کھڑے ہوگئے۔ بڑے سے جوش فرمایا لیاقت علی! بجو اس تحریری بیان سے مجھے تمہارے قتل کی بو آرہی ہے۔ یہ فقرے مجمع پر بجلی بن کر گرے۔ سارا مجمع کھڑا ہو گیا۔ اکا براحرار جو سٹیج پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ساکت و جامد مجسمہ سوال بنے ہوئے تھے۔ آخر شیخ حسام الدین گویا ہوئے شاہ جی یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ۔وہ ملک کا پرائم منسٹر ہے اگر خدانخواستہ کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم کیا جواب دیں گے؟ شاہ جی نے فرمایا جواب؟ کس بات کا؟ یہ سازش تو ہو چکی! لوگ بھی شور مچا رہے تھے۔ شاہ جی کھل کر بات کریں۔ اتنے میں ہلکی سی بوندا باندی ہونے لگی۔ شاہ جی نے فرمایا بابو لوگو! میں کیا کروں میری آنکھیں جو دیکھ رہی ہیں وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔ پھر کہتے ہو یہ بوڑھا جو کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ ہاں ہاں میں دیکھ رہا ہوں خدا کی قسم یہ آئے ہوئے بادل ٹل سکتے ہیں، بارش رک سکتی ہے لیکن بخاری کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ جب شاہ جی یہ بات کہہ رہے تھے توانکی دائیں ہاتھ کی انگلی آسمان کی طرف تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ یہ بات کہتے ہوئے جب انگلی نیچے آئی تو بارش رک چکی تھی۔ تمام مجمع ساکت و جامد حیران و پریشان ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی کیفیت میں تھا۔ شاہ جی پھر گویا ہوئے۔ لیاقت علی اگر بچنا چاہتے ہو تو (ماسٹر جی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اس بڈھے سے بات کرو! ہماری ہی کیا سارے پنڈال، نہیں نہیں پورے لاہور کی نیند اڑ چکی تھی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں الارم بج اٹھے۔ یہ واقعہ آج بھی میرے دماغ کی لوح پر مَن و عَن نقش ہے میں دیکھ رہا ہوں لوگ اضطراری کیفیت میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ ملک کے وزیر اعظم کے قتل کی سازش کا اعلان جلسہ عام میں ہورہا ہے ان کو کیسے علم ہوا۔ کیا یہ خود ملوث ہیں؟ اگر نہیں تو ان کو کیسے علم ہو گیا؟"

خود شریک ہیں تو اپنی ہی خفیہ بات مجمع عام میں کیسے کر سکتے ہیں ؟ ان ہونی بات بخاری نے کہہ دی ہے۔ یہ سوال ہمارے گردوپیش بھی ہو رہا تھا۔ میرے ساتھی بھی کہہ رہے تھے۔ اب کیا ہوگا؟ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

یہ پکی بات لکھ لو لیاقت علی خان گئے۔ اگر شاہ جی کی بات پر توجہ نہ دی گئی تو یہ ان ہونی ہو کر رہے گی۔ شاہ جی نے اور کیا کیا کہا، کسی کو سننے کا ہوش کہاں تھا۔ جلسہ برخواست ہوا تو شاہ جی دفتر احرار میں تشریف لے گئے اور چائے طلب کی۔ دوست احباب ہمہ تن سوال بنے بیٹھے تھے۔ چائے آ گئی شاہ جی چائے پینے لگے۔ کسی میں ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ شاہ جی سے مزید کوئی سوال کرتا اتنے میں ہوم سیکرٹری آئی جی ڈی آئی جی اور دیگر کئی افسران کی کاریں آ کھڑی ہوئیں۔ اور شاہ جی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ تمام حضرات کو اوپر دفتر میں بلا لیا گیا۔ علیک سلیک کے بعد شاہ جی نے فرمایا: بابو لوگو! ہم فقیروں کا ڈیرہ تو ایسے ہی ہے۔ کرسیاں اور صوفے تو ہمارے پاس نہیں۔ تشریف رکھیں۔ چائے پیش کرنا چاہی تو انہوں نے بصد ادب معذرت کر لی اور گردوپیش پر نظر ڈالی یعنی تخلیہ چاہا۔ شاہ جی نے احباب کو دوسرے کمرے میں جانے کا اشارہ کیا تو سب ساتھی اٹھ گئے۔ صرف ماسٹر تاج الدین انصاری اور شیخ حسام الدین کو شاہ جی نے روک لیا۔ باقی تمام ساتھی ملحقہ کمرہ میں ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گئے۔ بات شروع ہوئی۔ آنے والے اصحاب میں سے کسی نے کہا کہ شاہ جی آپ نے وزیر اعظم کے قتل کی پیش گوئی کی ہے اس سلسلہ میں آپ کے (Sources) ذرائع کیا ہیں۔ اور آپ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ شاہ جی نے فرمایا میں نے انتباہ کر دیا ہے سازش کو ڈھونڈنا آپ کا کام ہے۔ میں نے مرزا بشیر الدین کی تقریر سے اخذ کیا ہے۔ خدا کرے میری بات جھوٹ ہو۔ لیکن میرا وجدان کہتا ہے کہ سازش ہو چکی ہے۔ شاہ جی نے زمین سے چائے والا کپ اوپر اٹھایا اور فرمایا اگر میں یہاں سے چھوڑ دوں تو نتیجہ کیا ہوگا۔؟ کسی نے کہا کہ یہ گرنے سے ٹوٹ جائے گا۔ فرمایا بس معاملہ ایسے ہی اٹکا ہوا ہے۔ میں نے برسر عام کہا ہے اب بھی کہتا ہوں کہ مرزائیوں کی ایک تکنیک ہے اور وہ اسی کے تحت کام کرتے ہیں۔ سازش مہینوں پہلے ترتیب دیتے ہیں جب مکمل کر لیتے ہیں تو پھر کسی نہ کسی بہانے یا اپنے کسی ایجنٹ کو مطلع کرنے کے لئے اشارہ دیتے ہیں۔ میں نے اس بیان سے یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ اسی لائن پر آپ تحقیق کریں ایسی ہی دو چار باتیں کر کے وہ چلے گئے۔ شاید وہ ایسے مجذوب کی باتیں سمجھتے رہے لیکن محرم حال تو حقیقت کو پا گئے تھے۔ اور پھر ۱۶ اکتوبر ۵۱ء کو راولپنڈی میں وہ ناشدنی واقعہ کا حصہ ظہور پذیر ہو گیا۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو بھرے جلسہ عام میں تمام سکورٹیز کے باوجود گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔ اور سازش کے ثبوت خود پولیس کے ہاتھوں گم کرا دیئے گئے۔ تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوئے لیکن آج تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ تاریخ اپنے اوراق پلٹتی ہے کئی سال بعد وہی دہلی دروازہ کا احرار پارک ہے اور ایک جلسہ عام ہے شاہ جی پھر ببانگ دہل کہتے ہیں کہ میں نے اسی پارک میں لیاقت علی کے قتل کے بارہ میں انتباہ کیا تھا لیکن حکومت نے میری بات کو مجذوب کی بڑ جانتے ہوئے درخور اعتناء نہ سمجھا اور لیاقت علی قتل ہو گئے اور پھر تم شہید ملت کے قتل کی تحقیقاتی رپورٹ کی حفاظت نہ کر سکے۔ آج پھر کہتا ہوں تحقیق میں نے بھی کی ہے قاتل میرے سامنے ہے کہو تو بتا دوں؟ لوگوں نے شور مچا دیا شاہ جی بتائیں بتائیں فرمایا ایسے ہی بتا دوں۔ جاؤ حکومت سے کہو ہائی کورٹ کے ججوں پر

بقیہ ص ۴۳ پر دیکھیں